© rasailojaraid.com

علم النفسیات کا ایک افادی پہلو

خواب، ضبط، زندگی اور حرکت

(۳)

لیفٹیننٹ کرنل جناب خواجہ عبدالرشید صاحب

دوسری قسم کا خواب الہامی خواب ہے جس کے لئے تعبیر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ بعینہ جس طرح دیکھا جاتا ہے اسی طریق سے واقعہ ہو جاتا ہے۔ ماہرین نفسیات ایسے خوابوں کو نہیں مانتے بلکہ ان کی وجوہات اور بیان کرتے ہیں۔ ہم نے اس بات کا بغور مطالعہ کیا ہے اور بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ الہامی خواب ایک حقیقت ہیں اور کوئی نایاب بات نہیں یہ ایک بہت مشکل اور وسیع موضوع ہے اور ہم اس حقیقت سے آشنائی کا دعوی نہیں کرتے۔ تاہم ہمارے ضعیف دماغ نے جو کچھ سمجھا ہے وہ قارئین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اول ہم الہامی خواب کی ایک مثال حدیث سے پیش کرتے ہیں جس میں رویائے صالح کی ایک عدیم مثال موجود ہے اور جو واقعہ پیش آیا یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے میں دیکھا اور خواب تھا اور وہ بعینہ اسی طرح پیش آیا جس طرح کہ آپ نے دیکھا اور بیان کیا تھا۔

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہما — حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان کے

© rasailojaraid.com

يدخل على ام حرام بنت ملحان وكانت تحت عبادة بن الصامت فدخل عليها يوماً فاطعمته وجعلت تفلي راسه فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم استيقظ وهو يضحك قالت فقلت له ما يضحكك يا رسول الله قال ناس من امتي عرضوا علي غزاة في سبيل الله يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الاسرة او مثل الملوك على الاسرة قالت فقلت يا رسول الله ادع الله ان يجعلني منهم فدعا لها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم وضع راسه ثم استيقظ وهو يضحك فقلت ما يضحكك يا رسول الله قال ناس من امتي عرضوا علي غزاة في سبيل الله كما قال في الاولى قالت فقلت يا رسول الله ادع الله ان يجعلني منهم قالت انت من الاولين فركبت البحر في زمان معاوية بن ابي سفيان فصرعت عن دابتها

پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہ عبادہ بن صامت کی بیوی تھیں۔ ایک دن جو رسول کریم ان کے گھر تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کو کھانا کھلایا اور اور آپ کی جوئیں دیکھنے لگیں حتیٰ کہ آپ سو گئے مگر جب اٹھے تو ہنستے تھے۔ ام حرام نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کس بات سے ہنستے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے چند لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے مجھے دکھائے گئے ہیں جو بادشاہ کی طرح سمندر میں سوار ہیں یا مثل بادشاہوں کے تختوں پر بیٹھے ہیں (راوی کو شک ہے) ام حرام کہتی ہیں میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھکو ان لوگوں سے کرے آپ نے ان کے واسطے دعا فرمائی اور پھر سر رکھ کر سو گئے اور پھر ہنستے ہوئے جاگے۔ ام حرام کہتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کس چیز سے ہنستے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے چند لوگ جہاد کرتے ہوئے پھر میرے سامنے پیش ہوئے ہیں۔ ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے پھر عرض کی آپ اللہ سے دعا کیجئے مجھکو ان لوگوں میں سے کرے۔ آپ نے فرمایا تم پہلوں میں سے ہو۔ چنانچہ ام حرام معاویہ کے زمانے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حین خرجت من البحر سمندر میں سوار ہوئیں اور سمندر سے نکلنے کے وقت اپنی
فھلکت۔ سواری کے جانور سے گر کر مرگئیں۔

اس روحانی کشف میں تعبیر کی ضرورت نہیں، یہ ایک قطعی الہام ہے جو سوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ لہذا یہ الہامی خواب تھا جس کے ماہرینِ نفسیات منکر ہیں۔ ہمارے نزدیک ایسی الہامی خوابوں کا تعلق نہ تو شعور سے ہے اور نہ ہی تحت الشعور سے بلکہ اس کا تعلق ذہن کے ایک ایسے حصے کے ساتھ ہے جو ہماری اصطلاح میں فوق الشعور کہا جا سکتا ہے (Super Consciousness) فوق الشعور کا تعلق براہِ راست فوق الانا کے ساتھ ہے۔ ہم گذشتہ مقالے میں بتا چکے ہیں کہ جب انسانی جبلی حرکتِ ارادی انا کے توسط سے بڑھتی ہے تو فوق الانا کے دروازے پر دستک دیتی ہے اور پھر اس کی انا کا پرواز زمان و مکان سے آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر فوقی تعلق کی بنا پر جو کچھ اللہ تعالیٰ کو القا کرنا ہوتا ہے اس فوق الشعور کے ذریعہ منتقل کر دیتا ہے، اور انسان اُسے بعینہٖ اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح کہ وہ ہونے والا ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ایک واقعہ جو ابھی مادی دنیا میں وقوع پذیر نہیں ہوا اس کی ماہیت مثالی دنیا میں کس طرح نظر آسکتی ہے تو یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر حادثہ واقعہ ہونے سے پیشتر عالمِ مثال میں موجود ہوتا ہے اور بعد میں پھر مادی دنیا اس کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس کی تفصیل بہت مشکل ہے ورہم فی الحال اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس پر مزید گفتگو کر سکیں، لہذا اپنے محدود علم اور تجربہ کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ لکھنے سے احتراز کرتے ہیں۔

اب اس تفصیل کے بعد ہم بخوبی خوابوں کا افادی پہلو سمجھ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اکثر خواب طبیعتوں کے ترجمان ہوتے ہیں اور اس کی مناسب تعبیر طبیعت کا رجحان بتاتی ہے۔ جسے سمجھ کر انسان اپنے پروگرام کو مناسب طور پر ترمیم کر سکتا ہے اور اپنے حجابات (Complexes)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر قابو پا سکتا ہے اور اپنی پریشانیاں دور کر سکتا ہے اور اگر اس میں یہ سمجھ نہیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ تمام حجابات دوبالا ہو جائیں اور اس کی زندگی وبال جان بن جائے۔

ہم نے مقالے کے شروع میں نصب العین (Ideal) کا ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ نصب العین انسان کی استعداد کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر نصب العین دماغی اور معاشی حیثیت سے بلند ہوگا تو وہ انسان کی طاقت سے بھی باہر ہوگا۔ اس کا لازمی نتیجہ نامکمل خواہشات اور جبلّی قوتِ ارادی کا اَن تھک دباؤ ہوگا۔ جس کی وجہ سے انسان رنگا رنگ کے خواب و خیال میں مست رہے گا اور انھیں عملی جامہ نہیں پہنا سکے گا بلکہ وہ انھیں ایک شاعرانہ انداز میں بیان کرے گا اور اپنی خواہشات کو اپنے نصب العین کے مطابق پورا کرنے کی کوشش کریگا۔ مگر یہ تکمیل محض خیالی دنیا میں ہوگی تجرباتی دنیا میں اس کی حقیقت معدوم ہوگی۔ علم النفسیات میں یہ چیز جھوٹ کے مترادف ہے کیونکہ یہاں ایک ایسی بات کو پیش کرنا مقصود ہوتا ہے جو اصل میں موجود نہیں ہوتی۔ اور کسی چیز کی عدم موجودگی کو موجود ثابت کرنا ایک اخلاقی گناہ ہے۔ یہ خصلت نقلِ جوش کا ایک عنصر ہے۔ ہم یہاں ایک نہایت دلچسپ حدیث بیان کرتے ہیں جو اگرچہ کتاب التعبیر میں بیان کی گئی ہے مگر اُسے ہمارے نظریہ سے بہت تطابق ہے اور اس کا نفسیاتی پہلو کسی طرح بھی افادیت سے خالی نہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے
انّ من افری الفری ان یُرِیَ	بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے
عینیہ مالم یریا	جو انھوں نے نہ دیکھی ہو۔

اللہ اکبر! کتنی نفسیاتی حقیقتیں اس ایک مختصر سی حدیث میں پنہاں ہیں اگر مِل (J. S. mill.) اس حدیث سے واقف ہوتا تو غالباً اُسے اپنی کتاب افادیت (Utelitarianism.)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

ہماری نگاہ میں یہ حدیث (Day Dreaming.) یعنی خیالی پلاؤ کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ یہ فعل انسان کے عمل کو مفلوج کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس نے فکری دنیا کے (World of Thought.) متعدد دروازے بند کر دیئے ہیں اور عملی دنیا (World of Action.) جو کہ تجرباتی دنیا ہوتی ہے (World of Experience) اس کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک مفکر عامل نہیں ہوتا۔ وہ دنیا کے لئے عملاً بے کار ہوتا ہے۔ وہ محض اپنی خیالی دنیا میں گم ہو کر ایسے مقامات پر پرواز کرتا ہے جہاں اُسے سوائے جلوہ سراب کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اسلام میں شاعری کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی اور شاعروں کے پرواز تخیل کو فِی کُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ سے تعبیر فرمایا گیا۔ یعنی شاعر ہر ایک وادی میں سراسیمہ پھرتے ہیں۔

اس کے برعکس ایک باعمل انسان بہت کم ایسے جھگڑوں میں پھنستا ہے اور جب کبھی بھی اسے یہ راہ اختیار کرنی پڑتی ہے وہ دوسروں ہی کے مفاد کے لئے سوچ بچار کرتا ہے۔ عمل چونکہ حرکت کا مقتضی ہے اس لئے حرکت قربت پسند ہوتی ہے۔ حرکت علیحدگی (Isolation) اختیار نہیں کر سکتی۔ مفکر علیحدگی اختیار کرتا ہے کیونکہ بے عمل ہوتا ہے۔

علم النفسیات پہلی قسم کے لوگوں کو Introvert. یعنی باطنی مطالعہ کرنے والوں کے نام سے پکارتا ہے اور باعمل لوگوں کو Extrovert. یعنی ظاہری مطالعہ کرنے والا کہتا ہے چنانچہ جو لوگ باطنی مطالعہ میں محو رہتے ہیں علم النفسیات کی رو سے اُن کا افادی پہلو مفقود ہوتا ہے اور وہ خود غرض ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ ظاہر کے مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں وہ بے غرض ہوتے ہیں۔ باطنی مطالعہ کرنے والوں کا عملی دنیا کے ساتھ کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اگرچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسا اوقات وہ عملی دنیا والوں کے لئے ایک شاہراہ تلاش کر لیتے ہیں جن پر عمل کر کے دوسرے ان تفکرات کو عملی جامہ پہنا لیتے ہیں۔ لیکن ایسا اتفاق شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اکثریت میں یہ افادی پہلو ناپید ہوتا ہے۔ وہ محض مفکر ہی کہلاتے ہیں اور مفکر بھی اس قسم کے جن کو مثالی دنیا والے (Utopian.) کہا جا سکتا ہے یعنی بلند خیالات اور پُر جوش طبیعت والے مگر غیر عملی اشخاص! چنانچہ مذکورہ بالا حدیث انہی اشخاص سے متعلق کہی گئی ہے اسی کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے۔ اگر اس حدیث سے جھوٹا خواب بیان کرنا مراد لیا جائے تو وہ ہماری دانست میں غلط ہوگا۔ کیونکہ خواب کا سچا یا جھوٹا ہونا ایک ایسا فعل ہے جو کچھ عرصہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے اور اس عرصہ کا تعین مشکل ہے اس کے متعلق قطعی طور پر فوراً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ہی ہر ایک کے بیان کردہ خواب کو دوسرے لوگ سچ تصور کر سکتے ہیں۔

ہم نے جو خوابوں کی مثالیں ابھی احادیث سے دی ہیں تعجب کی بات ہے کہ علم النفس ان سے متعلق بحث نہیں کرتا۔ وہ خوابوں کی وجوہات جو بیان کرتا ہے تو ان تمام کا انحصار نامکمل خواہشات اور غلط نصب العین پر رکھتا ہے۔ فرائڈ کی خواہشات جنسی ہوتی ہیں اور دیگر ماہرینِ نفسیات کی وجوہات کچھ تو جنسی اور کچھ غیر جنسی! گویا ان کی نگاہ میں ہر خواب اُن خیالات کی بنا پر واقع ہوتے ہیں جو نامکمل خواہشات پیدا کرتی ہیں۔ یعنی وہ خواہش جو عملی دنیا میں ناکام رہی ہو، خواب میں پوری ہو جاتی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر جو خواہش خواب میں پوری ہو جائے وہ عملی دنیا میں پوری نہیں ہو سکتی یعنی (Dreams are wish Fulfilment.) یہ اصول الہامی خوابوں کے بالکل خلاف ہے کیونکہ الہام میں خواہش کا تعلق نہیں ہوتا۔

اب ہم پھر نقلِ جوش کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ یہ موضوع ہمارے اس مقالے کا لب لباب ہے اور ہمیں اس میں زندگی کے افادی پہلو کا راز چھپا نظر آتا ہے۔ ہم نے شروع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقالے میں براںونی کے نقلِ جوش کی مثال دی تھی وہ تو تھا علمی نقلِ جوش Intellectual (Transference of Emotion اب کچھ مثالیں عملی نقلِ جوش کی بیان کرتے ہیں۔ (Active Transference of Emotion) ہمیں آج کل کی سیاسی کشمکش میں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں۔ لیڈروں پر حملے سب سے اہم مثال ہے۔ گذشتہ دو سالوں میں ہمیں کتنی ہی ایسی احمقانہ مثالیں ملتی ہیں۔ مذہبی رواداری اور آزادیٔ عقائد کی حمایت جب مفقود ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ حریف اخلاقی طور پر پچھاڑا جا چکا ہے اور اس شکست کا اظہار نقلِ جوش میں ظاہر ہوتا ہے اور ایک بخار بن کر نکلتا ہے۔

مضراب کی چوٹ جب ساز کے تار توڑ دیتی ہے تو تار اُلٹ کر ہاتھ پر کاٹتا ہے اسے اپنی بے حسی کا بھی غالباً شعور ہوتا ہوگا۔ مگر فقط لپٹ کر سکڑ جاتا ہے۔ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ سروں کی ترکیب میں فرق پڑ جاتا ہے لیکن ایک سمجھدار سازندہ اس تار کے بغیر بھی راگ نکال سکتا ہے اگرچہ راگ کی کیفیت میں فرق ہوگا۔ اور اگر چاہے تو اس کی جگہ دوسرا تار بھی لگا سکتا ہے۔ اسی طرح ہم آج کل دیکھتے ہیں کہ ہماری جماعت میں متضاد خیالات بڑی کثرت سے خلل انداز ہو رہے ہیں تعجب کی بات ہے کہ خدا ایک، رسول ایک اور قرآن ایک مگر عقائد مختلف! قصہ محض یہ ہو گیا ہے کہ تعصب، خود غرضی اور جاہلیت کی وجہ سے خدا اور رسول نو لیسِ پشت ڈال دیئے گئے، اور خواہشات بالا بالا نظر آتی ہیں۔ فہم و ادراک معدوم ہو چکا ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی عام ہو گئی ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو ہر بات میں ماہر تصور کرتا ہے۔

مذکورہ بالا مثال میں ساز کے تار ٹوٹ جانے سے ساز بے کار نہیں ہو جاتا وہ پھر بھی سُر کیا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے ایک اچھے سازندے کی ضرورت ہے۔ ساز کے سُر ہونے کے بعد ہی اس میں سے نغمہ نکل سکتا ہے جس میں حلاوت ہو اور جو پسند ہو۔ مسلمان کا نغمہ اس کا کلمہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت کا ساز یہ نغمہ تب ہی نکال سکتا ہے جب اس کا ہر تار سُر میں ہو۔ اور اگر نہیں ہے تو پھر نہ تو وہ ساز ہی ساز ہوگا اور نہ وہ نغمہ ہی نغمہ!!! ہماری جماعت کی کیفیت ایسی نہیں۔ ہم ایک لمحہ کے لئے ٹھہر کر اس کی اشاری تحلیل کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری جماعت ایک دوسرے ساز کی مانند ہے جس کے بعض تار تو سُر میں ہیں اور بعض بے سُرے ہیں۔ اور بعض کسی اور سپتک (مقام) پہ سُر ہیں۔ گویا ہر تار اپنا ہی نغمہ الاپنے کے درپے ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ جو مجموعی صدا پیدا ہو رہی ہے وہ ایک بھیانک آواز کی طرح معلوم ہوتی ہے اس میں ہم آہنگی موجود نہیں، تاروں میں جان ہے اور سُر تڑپ رہے ہیں مگر سازندہ موجود نہیں جو اس ساز کے تاروں کو سُر کر کے اُس بھیانک اور کرخت آواز کو پُر لطف نغمہ بنا دے۔

درحقیقت سازندہ بھی موجود ہے مگر ہمارے ساز جماعت کی نگاہوں سے اوجھل ہیں ہماری موسیقی کی گتیں اور اس کا اتار چڑھاؤ، مدت ہوئی لکھا جا چکا ہے۔ مگر اس سپتک کے برتنے میں اختلاف واقع ہو گیا ہے۔ گتیں بھی وہی ہیں اور موسیقی کی مجموعی حیثیت بھی وہی ہے اور ساز بھی وہی! تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسلامی جماعت کے ساز سے کوئی پُر لطف نغمہ نہیں نکل رہا؟ بات یہ ہے کہ ساز پر کچھ تار ایسے چڑھے ہوئے ہیں جو نئے ہیں اور وہ جو پُرانے رس چکے ہیں ان کے ساتھ ان کا ملانا یعنی سُر کرنا مشکل ہے اس کا صرف ایک علاج ہے اور وہ یہ کہ جو پرانا تار رس چکا ہے اس کے ساتھ نئے تاروں کو سُر کیا جائے نہ یہ کہ پُرانے رسے ہوئے تاروں کو نکال باہر پھینکا جائے ساز پر ایک ہی پُرانا تار نغمہ نکالنے کے لئے کافی ہے اس میں نئے تاروں سے زیادہ حلاوت ہوگی۔ نئے تاروں والا ساز کسی انجان اور بدتری کے ہاتھ میں دینا پڑیگا تاکہ اس کی پُرد ڈھو کریں اس کو رسا کر سُر کر دیں یہی حال اس وقت ہماری جماعت کے ساز کا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پُرانے تار جو سُر میں پختہ ہو چکے ہیں لوگ ان کو باہر نکال پھینکنے کے درپے ہیں اور ایک اور ہی نغمہ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یقیناً مذہبِ اسلام کا نغمہ نہیں ہے لیکن جب دیکھتے ہیں کہ پرانے تاروں کا سُر بہت رسیلا ہے اور پختہ ہوچکا ہے تو جوش میں آکر انھیں علیحدہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کی جگہ تمام نئے تار چڑھانا چاہتے ہیں۔ اور پھر جب ان نئے تاروں سے جو نغمہ نکلتا ہے وہ مانوس نہیں ہوتا تو پھر مایوس ہوجاتے ہیں۔ اور ایک پرانا تار اٹھا کر ساز پر چڑھا لیتے ہیں کہ شاید اس کی شمولیت سے کچھ نغمہ بہتر بن جائے۔ مگر نئے تاروں کو پھر بھی اُس پرانے تار کے ساتھ سُر نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پرانا تار ایک اور ہی راگ الاپتا ہے جس کی نئی تاروں سے قطعاً یگانگت نہیں ہوتی۔ ساز کے سروں کے امتزاج کی اس افراط و تفریط کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی آج کل ہماری جماعت کی کیفیت ہے۔ مسلمان کا اخلاق پست ہوچکا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے کو تیار نہیں۔ وہ مذہبی پابندی برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ معاشرتی ضبط (Social Discipline.) کا بھی قائل نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی جماعت کو ایک ایسے سانچے میں ڈھالنا چاہا ہے جہاں اِسے ان تمام لوازمات سے آزادی حاصل ہوجائے۔

آج اگر اسلامی جماعت میں مذہبی ضبط اور مذہبی پابندیوں پر زور دیا جائے تو ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ جو ظاہری صورت ہمیں نظر آرہی ہے اس کا شیرازہ آناً فاناً بکھر جائے۔ ساز کا پرانا تار نئے تاروں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک ضبط (Discipline.) پیدا کرنا چاہتا ہے۔ نئے تار اس ضبط سے کتراتے ہیں۔ تعجب کا مقام ہے کہ علم ترقی پر ہے مگر لوگ عقل و ادراک (ضبط) سے دور بھاگے جارہے ہیں۔ گویا علم اور عقل دو متضاد باتیں ہیں۔ ہم نے ضبط کو عقل کہا ہے کیونکہ ہماری نگاہ میں عقل چاہتی ہے کہ ضبط قائم ہو۔ اگر ضبط نہیں ہے تو عقل مفقود ہے اور یہ ہمارے نزدیک نفسیات کا ایک اہم افادی پہلو ہے۔ ہم اس کی تفصیل ذیل میں کرتے ہیں۔

ہم نے یہاں عقل بمعنی (Reason) استعمال کیا ہے جس کی ضد (Antonym)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضد اور ہٹ دھرمی ہے جس کا ہم ذکر کر آئے ہیں۔ ضد کی موجودگی افراط و تفریط پیدا کرتی ہے۔ ضدی وہی شخص ہوگا جس میں عقل یعنی (Reason) موجود نہیں۔ اور ضدی شخص ضبط ہرگز قائم نہیں رکھ سکتا۔ اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ضد ایک اچھی خصلت ہے اور اکثر دانا اور عقلمند ضدی طبیعت کے ہوتے ہیں، یہ بات نہیں۔ ان کا کسی بات پر اڑ جانا ضد نہیں کہلا سکتا۔ وہ ایک بات کی حقیقت کو جانتے ہیں جس سے عوام ناواقف ہوتے ہیں اور چونکہ آج کل اکثریت نااہلوں اور ناواقفوں کی ہے اس لئے ایک شخص کی اہلیت ان کے لئے ضد کی مترادف نظر آتی ہے ضد بمعنی (Obstinacy) کبھی اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ عقلمند لوگوں کا کسی بات پر اڑ جانا ضد نہیں کہلائے گی بلکہ یہ ان کی قوتِ اخلاق کا عکس ہوگا۔

عقل یعنی (Reason) یہ چاہتی ہے کہ اشیاء میں ترتیب اور تسلسل ہو یعنی (Order and Sequence.) عقل افراط و تفریط کو برداشت نہیں کرتی، خواہ وہ زندگی کے کسی ہی پہلو میں ہو۔ اگر آپ نفسیات کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں تو آپ ایک انسان کی بود و باش اور اس کی نشست و برخاست، اس کے طعام و لباس سے اس کی عقل کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ طبیعتوں کا رجحان اور فطرت کا لگاؤ بہ آسانی پتہ چل سکتا ہے۔ آپ کسی شخص یا کسی مقام سے جب پہلی مرتبہ متعارف ہوں تو ملاحظہ کیجئے کہ اس شخص یا یا اس مقام کا لباس یا سامان کیسا ہے اور کس ترتیب سے استعمال میں لایا گیا ہے۔ ہم مثال کے طور پر ایک مکان کو لیتے ہیں جو کہ مالک مکان کی فطرت و ذہنیت کا بعینہ نقشہ ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مکان ایک محل کی صورت میں ہو اور اس میں شاہانہ ساز و سامان موجود ہو۔ مکان ایک جھونپڑی بھی ہو سکتی ہے جہاں ایک چٹائی اور ایک کھاٹ بھی ترینے سے رکھی جا سکتی ہے۔ سامان کا ترتیب سے رکھا ہونا، زمین اور دیواروں کی صفائی، کھڑکیوں کے شیشوں کا صاف ہونا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وغیرہم سب اس امر کی دلیل ہیں کہ جو شخص یہاں رہتا ہے وہ ضدی نہیں ہو سکتا بلکہ صاحب عقل ہے ایک عالیشان مکان میں قالین بچھے ہوں، طرح طرح کے صوفے رکھے ہوں اور تصویریں آویزاں ہوں مگر نہ تو قالین صاف ہوں اور نہ ہی صوفے ترتیب سے رکھے ہوں اور نہ ہی تصویروں کو کسی نے صاف کیا ہو تو اس سے ہم دو ہی نتیجے اخذ کر سکتے ہیں اول یہ کہ یہاں کوئی موجود نہیں اور گھر خالی پڑا ہے۔ دوم یہ کہ جو یہاں رہتا ہے اس میں عقل مفقود ہے کیونکہ اس کے گھر کے ساز و سامان میں ضبط Discipline یعنی ترتیب موجود نہیں لہذا وہ ضدی قسم کا انسان ہوگا۔ اشاری اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب مالک مکان میں عقل موجود نہیں تو پھر گھر انسان سے خالی ہے! لیکن اگر اس کے برعکس ایک معمولی مکان ہو جس میں بجائے قالینوں کے مٹی کا لیپ زمین پر ہوا ہو اور ایک کونے میں ایک صاف ستھری چٹائی اور دوسرے میں ایک صاف بنی ہوئی کھاٹ ہی رکھی ہو، تو اس گھر کا مالک بہ نسبت اس محل کے جس میں قالین بچھے ہیں عقل و فہم میں بدرجہا بہتر ہوگا۔ اسی طرح عمارات کی خشت بھی بنانے والے کی فطرت اور ذہنیت کا عکس ہوتی ہے۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے۔

The Archetecture of a Nation Reflects its Mentality.

یعنی ایک قوم کا فنِ تعمیر اس کی ذہنیت کا عکس ہوتا ہے۔ اس میں ایک گونہ حقیقت نہاں ہے اور یہ حقیقت نفسیاتی لحاظ سے بہت ہی درست ہے۔

اسی طرح ہم عمارات اور اقوام کو چھوڑ کر ایک فرد کو جب اس کی نفسیاتی دنیا میں دیکھنا چاہیں تو ہم اس کے لباس اور اس کی گفتگو سے پتہ چلا سکتے ہیں کہ یہ کس ذہنیت کا آدمی ہے؟ یہاں بھی ضروری نہیں کہ لباس ضرور ریشمی ہی ہو یا انگلستان سے بن کر آیا ہو، معمولی کپڑوں کے بھی پہننے کا سلیقہ ہوتا ہے۔ درحقیقت ہم جس بات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں وہ لباس کی قیمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آجاتی ہے۔ اس کا ہر کام وقت پر اور ایک خاص ترتیب سے ہوتا ہے۔ اس کو وقت کی اہمیت کا اندازہ ہوجاتا اور اس احساس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد سپاہی خود بخود مہذب شخصیت اختیار کرلیتا ہے، اس کی وجہ ضبط کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہمارے نزدیک ہماری جماعت کے ہر فرد کو ملٹری ٹریننگ دینا بے حد ضروری ہے اور ضبط قائم کرنے میں سختی کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ یہ بھی نفسیات کا ایک افادی پہلو ہے جس سے حجابات دور ہوجاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کا ضبط بڑا سخت ہے۔ (Rigid Discipline.) ضبط میں جب تک سختی نہ ہوگی کارآمد ثابت نہیں ہوسکتا۔ ملٹری ضبط جنگ کے لئے تیار کرتا ہے اسلام کا ضبط انسان کو جہاد کے لئے تیار کرتا ہے جو جنگ سے بہت بالاتر مفہوم رکھتا ہے۔ ہماری نگاہ میں زندگی سراسر جہاد ہے اس لئے زندگی کے لئے ضبط ضروری ہے اور ضبط حرکت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا اور چونکہ زندگی حرکت ہی کا نام ہے بغیر ضبط زندگی زندگی نہیں موت ہے۔

ضبط کی عدم موجودگی کی وجوہات تحت الشعور میں تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے اس کی تحلیل نہایت آسان ہے۔ اس کے پاس علوم کے وہ ذخیرے موجود ہیں جو دنیا بھر میں کسی کے پاس نہیں اور وہ قرآن اور حدیث ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے

صد جہاں باقیست در قرآں ہنوز　　　اندر آیاتش یکے خود را بسوز

نہ صرف یہ بلکہ ایک مسلمان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ بغیر قرآن و حدیث کے زندہ رہ سکے زندگی سے یہاں مراد عمل ہے نہ کہ عدم عمل جس کو مسلمان کی زندگی میں دخل نہیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

(اقبال)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منشی نبی بخش حقیر اور غالب

از جناب سید آفاق حسین صاحب بی اے نائب مدیر رسالہ آجکل دہلی

ناقدینِ غالب میں مولانا فضل حق خیر آبادی۔ صدر الدین خاں آزردہ اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے حالات تو سب کو معلوم ہیں لیکن غالب کا سب سے بڑا نقاد منشی نبی بخش حقیر آج تک گمنامی کی تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔ اردوئے معلی میں حقیر کے نام کل دو خطوط ہیں اور ایک خط اُن کے بیٹے منشی عبداللطیف کے نام ہے۔ یہ تو کوئی بھی یقین نہیں کرسکتا کہ غالب نے حقیر جیسے شخص کو کل دو ہی خط لکھے۔ منشی شیونرائن میرزا تفتہ اور مرزا حاتم علی مہر کے نام جو غالب کے خطوط ہیں۔ ان میں منشی نبی بخش حقیر کا تذکرہ ملتا ہے۔ یادگارِ غالب میں بھی مولانا حالی نے مختلف مقامات پر حقیر کے نام مرزا کے خطوط کے اقتباسات درج کئے ہیں۔ اور ایک خط بھی نقل کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یادگارِ غالب لکھتے وقت نبی بخش حقیر کے نام مرزا غالب کے خطوط کا مجموعہ مولانا حالی کے پیشِ نظر تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہ وہ مجموعہ ہو۔ جسے میر مہدی مجروح اور میرن صاحب چھاپنا چاہتے تھے اور جو بدقسمتی سے آج تک منظرِ عام پر نہ آسکا۔

منشی نبی بخش حقیر آگرے میں محلہ تاج گنج میں رہتے تھے اور علیگڈھ میں سرشتہ داری کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کی سخن فہمی اور سخن سنجی کی بڑے بڑے لوگ تعریف کرتے تھے۔ یادگارِ غالب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مطابق ایک بار یہ دہلی آئے اور مرزا کے مکان پر ٹھیرے۔ میرزا صاحب جو زمانے کی ناقدرشناسی سے بہت آزردہ رہتے تھے۔ ان سے بہت متاثر ہوئے۔ اور ان کی نسبت ایک فارسی خط مرزا تفتہ کو لکھا جو پنج آہنگ میں موجود ہے۔ اس خط کا ماحصل مولانا حالی نے اس طرح نقل کیا ہے :-

"خدا نے میری بیکسی اور تنہائی پر رحم کیا اور ایک ایسے شخص کو میرے پاس بھیجا، جو میرے زخموں کا مرہم اور میرے درد کا درماں اپنے ساتھ لایا۔ اور جس نے میری اندھیری رات کو روشن کر دیا۔ اس نے اپنی باتوں سے ایک ایسی شمع روشن کی جس کی روشنی میں میں نے اپنے کلام کی خوبی جو تیرہ بختی کے اندھیرے میں میری نگاہ سے مخفی تھی۔ دیکھی۔ میں حیران ہوں کہ اس فرزانۂ یگانہ یعنی منشی نبی بخش حقیر کو کس درجہ کی سخن فہمی اور سخن سنجی عنایت ہوئی ہے؟ حالانکہ میں شعر کہتا ہوں اور شعر کہنا جانتا ہوں مگر جب تک میں نے اس بزرگوار کو نہیں دیکھا یہ نہیں سمجھا کہ سخن فہمی کیا چیز ہے۔ اور سخن فہم کس کو کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ خدا نے حسن کے دو حصے کئے آدھا یوسفؑ کو دیا اور آدھا تمام بنی نوعِ انسان کو۔ کچھ تعجب نہیں کہ فہم سخن اور ذوقِ معنی کے بھی دو حصے کئے گئے ہوں اور آدھا منشی نبی بخش اور آدھا تمام دنیا کے حصے میں آیا ہو۔ گو زمانہ اور آسمان میرا کیسا ہی مخالف ہو۔ میں اس شخص کی دوستی کی بدولت زمانے کی دشمنی سے بے فکر ہوں اور اس نعمت پر دنیا سے قانع"

مولانا غلام رسول مہر مصنف "غالب" جو میرے بزرگ اور کرم فرما ہیں۔ ایک واقعہ جو انھیں غالباً مولانا ابوالکلام آزاد نے سنایا تھا مجھے ایک گرامی نامے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"منشی نبی بخش حقیر کول (علیگڈھ) میں تھے کہ غالب کو ایک غزل سے متعلق مفصل تحسین کا خط لکھا۔ اس خط نے غالب کے دل پر منشی صاحب کے ذوقِ صحیح اور شانِ سخن فہمی کا ایسا نقش بٹھایا کہ مدت العمر کے لئے باہم گہرے تعلقات پیدا ہو گئے

© rasailojaraid.com